تار کا پتہ
انجمن علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلی فون نمبر ۲۹

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد (۱۲) | ۱۵ جون ۱۹۵۴ء | ایڈیٹر قاضی عبدالغفار | ۱۳ شوال المکرم ۱۳۷۳ھ | نمبر (۳۶)

"مسلم" فرقہ واریت — اور انجمن ترقی اردو

اسٹیٹسمین کے وقائع نگار خصوصی کے بیان کا حسب ذیل خلاصہ بصیرت افروز ہے:-

"لکھنؤ۔ ۱۴ مئی۔ آج یوپی اسمبلی میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ اسٹیٹ میں مسلم فرقہ واریت پھر زندہ ہو رہی ہے اور ان اداروں میں از سر نو جان پڑ رہی ہے جن کی ذہنیت قدیم مسلم لیگ کی سی ہے۔ شری دھرم سنگھ ممبر اسمبلی نے کہا کہ اس قماش کے چھ ادارے یہ ہیں۔ جماعت اسلامی، مسلم مجلس عمل، انجمن ترقی اردو، مجلس احرار، خدام خلق اور خاکسار۔ شری سمپورنانند وزیر داخلہ نے جواب میں کہا کہ بے شک بعض ادارے فرقہ واریت پھیلا رہے ہیں، لیکن یہ بات ان سب اداروں کے لئے نہیں کہی جا سکتی۔ منسٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حکومت ایسے اداروں پر نظر رکھتی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ باوجودیکہ ایسے اداروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی ہے لیکن ان کے بعض ارکین کے خلاف شخصی طور پر قانونی کارروائی کی گئی ہے۔"

ہمیں معلوم نہیں کہ خاص طور پر نام نہاد "مسلم" فرقہ واریت کا یہ مفروضہ کب تک ہمارے سیاسی لیڈروں کو دماغی انتشار میں مبتلا رکھے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ایوان مقننہ میں ہم "مسلم" فرقہ واریت کا ذکر تو سنتے رہتے ہیں لیکن دوسرے فرقہ واری اداروں کا بہت کم کوئی ذکر آتا ہے۔

جہاں تک انجمن ترقی اردو کا تعلق ہے ہوم منسٹر صاحب کے مجمل اور مبہم جواب میں انجمن کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہوتی اور اس پر شبہ اور بدگمانی کی پرچھائیاں جو شری دھرم سنگھ کے سوال نے ڈالی ہیں باقی رہتی ہیں۔

اترپردیش کی حکومت انجمن کی جدوجہد کو کتنا ہی ناپسند کرتی ہو لیکن ہم دعوے کرتے ہیں کہ کوئی وزیر یا لیڈر کھل کر یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ انجمن کوئی فرقہ پرست ادارہ ہے۔ اگر انجمن کو فرقہ پرست ادارہ قرار دیا جا سکتا ہے تو پھر ہمارے لئے یہ کہنا بالکل آسان ہوگا کہ کانگریس بھی اب ایک فرقہ پرست ادارہ بن گئی ہے۔ دو سال ہوئے انجمن نے اردو زبان کی حفاظت کی ایک تحریک پورے سکون سے چلائی لیکن کوئی وزیر یا کانگریسی لیڈر یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اس تحریک کے کسی گوشہ میں بھی فرقہ پرستی کے احساسات نمایاں ہوئے حالانکہ بعض کانگریسی لیڈر اپنے بیانات میں بار بار ایسی بہت اشتعال انگیز بدگمانیوں کا اظہار کرتے رہے۔

اب جبکہ ایوان مقننہ میں نام نہاد فرقہ پرست اداروں کی ایک فہرست میں انجمن کا نام بھی شامل کیا گیا ہے تو ہوم منسٹر صاحب کا فرض تھا کہ وہ گول مول بات کرنے کے بجائے جرأت کو کام فرماتے اور صاف صاف کہہ دیتے کہ ان کی رائے میں انجمن فرقہ واری ادارہ ہے یا نہیں۔

وہ الگ بات ہے کہ انجمن کا طرز عمل اترپردیش کی حکومت کے مسلک سے ٹکرا رہا ہو اور حکومت کو یہ بات پسند نہ آئی ہو کہ انجمن اردو زبان کے متعلق ریاستی حکومت کے طرز عمل پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی کرتی رہی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کسی اقلیت کا حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی کرنا اسے فرقہ پرست یا مسلم لیگی یا پاکستانی قرار دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر ایسا ممکن ہے تو پھر ہمیں معلوم کرنا ہوگا کہ اس جمہوریت کے کیا معنی ہیں جس کے نام کی قسمیں کھا کر حکومت کی جا رہی ہے۔

ہم چودھری صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ صاف صاف ایک دفعہ اعلان کر دیں کہ ان کی رائے میں انجمن ترقی اُردو فرقہ پرست ادارہ ہے یا نہیں ہے۔

جن دو مرے اداروں کو اسمبلی کے ایک رکن نے فرقہ پرست قرار دیا ہے ان کی وکالت کرنا ہمارا فرض نہیں ہے لیکن یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ جب ایک نام نہاد مسلم کنونشن (جس کی سیاسی یا اجتماعی حیثیت کچھ بھی نہ تھی) علی گڑھ میں منعقد ہوتا ہے تو وہ فرقہ پرستوں کا اجتماع قرار دیا جاتا ہے لیکن ہندی اور نیز لکھنؤ میں دو ایسے "مسلم" اجتماعات ہوتے ہیں اور ان کو سرکاری یا نیم سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہوتی ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ یہ دونوں اجتماعات بھی صرف ایک ہی فرقہ کے نمائندے تھے لیکن ان کے خلاف ہمارے کسی لیڈر کی آواز بلند نہیں ہوئی ترکیب ان کی بھی فرقہ واری تھی لیکن ہمارے بعض وزیروں نے بھی ان کی سرپرستی فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ "مسلم" فرقہ پرستی کب اور کس صورت میں فرقہ پرستی ہوتی ہے اور کب نہیں ہوتی!!

چونکہ اتر پردیش کی اسمبلی میں انجمن ترقی اردو کا نام ایک فرقہ پرست ادارے کی حیثیت سے لیا گیا ہے اور حکومت کی طرف سے بھی صاف طور پر نہیں بتایا گیا کہ اس کی رائے میں انجمن فرقہ پرست ادارہ ہے یا نہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ مطالبہ بیجا نہیں کہ اتر پردیش کی حکومت صاف صاف بتائے کہ اس کی رائے کیا ہے۔ گول مول اور ادھوری باتوں سے انجمن کے متعلق شبہات اور بدگمانیوں کو باقی رکھنا حکومت کے تدبر اور حق پسندی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

صدر کانگریس کی آواز

جو اتر پردیش میں نہیں سُنی جاتی

مدراس ۱۲ر جون - صدر کانگریس مسٹر جواہر لال نہرو نے پردیش کانگریس کمیٹیوں کے نام اپنے ماہانہ مکتوب میں جو شملہ سے روانہ کیا گیا ہے لکھا ہے کہ ہندی کو عوام اور دستور نے کل ہند اغراض کے لئے سرکاری زبان تسلیم کیا ہے یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی اس کی جب کہ بادہ صرف ہندی بولنے والے علاقوں تک دیگر علاقوں کو بھی دی جانی چاہیئے جن کی مرضی کی وجہ سے ہندی کو سرکاری زبان قرار دیا جا سکا۔ اب ہمیں تعمیری نقطۂ نظر سے کام انجام دینا چاہیئے ہندی اگر کل ہند زبان تسلیم کی گئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو دیگر زبانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ ہر زبان کی بہت افزائی کی جانی چاہیئے لیکن کسی زبان کو جب مصنوعی طریقہ سے ترقی دی جاتی ہے تو بہت بڑا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ زبان ایک نمو پذیر چیز ہوتی ہے ڈکشنری تیار کرنے والے زبان کو نہیں بناتے بلکہ زبان کو عوام ادیب شاعر اور موسیقار بناتے ہیں کسی زبان کو یہ شکوہ نہ ہو کہ اس کو کچلا جا رہا ہے اس لئے میں نے ہندی اور اردو کے غیر ضروری جھگڑے پر افسوس کا اظہار کیا ہے ہندی اور اردو میں کوئی رقابت نہیں۔ اردو ہماری میراث ہے اگر اس کو کچلنے کی کوشش کی جائے تو خود اس سے ہندی کو نقصان پہنچے گا۔

(پی ٹی آئی)

صدر کانگریس پنڈت جواہر لال نہرو کتنی ہی دفعہ زبان کے مسئلہ پر ایسے بیانات دے کر اپنے تدبر اور حقیقت شناسی کا ثبوت دے چکے ہیں لیکن اگر کوئی جوابی آواز نہیں بلند ہوئی تو اتر پردیش کی کانگریسی حلقوں سے وہاں کی پالیسی کچھ ایسی ہے کہ گویا ہماری ریاست کی کانگریسی قیادت یہ طے کر چکی کہ جو کچھ صدر کانگریس فرمائیں اس کوشش کو تسکین کر دی جو اپنے من میں ہے۔ بڑا فرق ان حضرات اور صدر کانگریس کے نقطۂ نظر میں یہ ہے کہ صدر کانگریس کا خیال ہے کہ اگر اردو کو کچلنے کی کوشش کی جائے گی تو اس سے خود ہندی کو نقصان پہنچے گا اگر اتر پردیش کی قیادت کے حلقوں میں عقیدہ ہے کہ جس قدر جلد اردو کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں گی اتنی ہی جلد اتر پردیش میں ہندی زبان کا بول بالا ہو گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اردو کا وجود ہندی کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے لیکن صدر کانگریس کی رائے بالکل مختلف ہے۔ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو کے متعدد بیانات کے بعد بھی آج تک اتر پردیش کی ریاستی کانگریس نے ان کی رائے کی تائید کرتے ہوئے کوئی ایسا بیان شائع نہیں کیا جس سے اردو والوں کے دلوں کے اندیشے رفع ہوں۔ مولانا کو دستخط کی مہم کے بعد حکومت نے کچھ دکھاوے کی لیپ پوت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے برخلاف مختلف گوشوں میں جس طرح اردو کی مخالفت ہوتی رہتی ہے اس کی سینکڑوں مثالیں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں اور اب معلوم ہوتا ہے کہ صدر کانگریس کے بیانات اگر اثر نہیں کرتے تو صرف اتر پردیش کی کانگریس کے مسائل کو۔

ہم صحیح طور پر نہیں کہہ سکتے لیکن سُنا گیا ہے کہ انجمن کے وفد نے جو یادداشت صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کی تھی اس کے مندرجات سے بھی اتر پردیش کی حکومت اور کانگریسی قیادت نے سخت اختلاف کیا تھا اور کچھ تعجب نہیں کہ اسی اختلاف کی وجہ سے ابھی تک انجمن کی یادداشت کا کوئی جواب اس کو نہ مل سکا ہو۔

ہلکے ہلکے اشارے

—— ہمیں معلوم ہوا ہے کہ نصابی کتابوں کے متعلق اتر پردیش کے محکمۂ تعلیم کی پالیسی یہ ہے کہ اردو میں ہندی کتابوں کا ترجمہ کر کے وہی کتابیں داخل نصاب کی جائیں۔ براہِ راست اردو کی تعلیم کے لئے اردو میں کتابیں لکھوانا محکمۂ تعلیم پسند نہیں کرتا۔

—— جہاں تک فنی یا خاص خاص مضامین کی کتابوں کا تعلق ہے ہندی سے اردو میں ترجمہ کرانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا لیکن زبان کی تعلیم کے لئے یہ طریقہ کبھی بھی مفید نہیں ہو سکتا اور اس کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتے کہ بجائے خود اردو زبان کی تعلیم کا ناقص نصاب تیار کیا جائے

جس کا اثر زبان کی تعلیم پر ہر حال میں بہت خراب پڑے گا۔

—— کیا یہ بھی اردو کی تعلیم میں رکاوٹ پیدا کرنے کا ایک پہلو ہے؟

—— مسلم دارالمطالعہ شاہدرہ کے مہتمم قاضی منیر الحسن صاحب نے ہمیں بتایا ہے کہ ان کے دارالمطالعہ کو جو سرکاری امداد ملتی ہے اس کے ساتھ اب یہ شرط عاید کی گئی ہے کہ دارالمطالعہ کے لئے جو کتابیں خریدی جائیں وہ صرف ایک ہی کتب فروش سے خریدی جائیں لیکن ان کتب فروش کی فہرست میں اردو رسم الخط کی کتابوں کا کوئی وجود نہیں۔ لہٰذا اردو کے دارالمطالعہ پر بھی (اگر وہ سرکاری امداد لینا چاہتا ہے) لازم ہو جاتا ہے کہ وہ صرف ہندی رسم الخط کی کتابیں خریدے ورنہ سرکاری امداد سے دست بردار ہو جائے۔

—— ایک ہاتھ سے دے کر دوسرے سے واپس لینے کا یہ طریقہ اس ذہنیت کو واضح کرتا ہے جو اردو زبان کے متعلق ہمارے اتر پردیش میں کارفرما ہے!

—— بہت عرصہ تک عرض و معروض کا سلسلہ جاری رہا اور بار بار اتر پردیش کی حکومت سے سوالات کئے گئے کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ ہندی کی کتابوں پر انعامات دئے جا رہے ہیں اور اردو کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ایک عرصہ دراز کے بعد آخر کار اخبارات میں ایک سرکاری اعلان شائع ہوا ہے کہ اردو اور سنسکرت کی ایسی کتابوں پر بھی انعامات دئے جائیں گے جو آرٹ۔ سائنس اور لٹریچر پر اتر پردیش میں لکھی گئی ہوں۔

دریافت کیا گیا ہے کہ ان کتابوں کے پیش کرنے کے قواعد کیا ہیں؟ جواب آئے پر اعلان کیا جائے گا۔

—— سوچنے کی بات تو صرف یہ ہے کہ بالآخر ریاستی حکومت نے اتر پردیش میں اس بات کو تسلیم ہی کر لیا کہ اردو بھی ایک علاقائی زبان ہے جس کی کتابوں پر انعامات دئے جا سکتے ہیں۔ یہ بات پہلے ہی کہہ جاتی تو اتنے عرصہ تک شکایت و حکایت کا سلسلہ کیوں جاری رہتا — ہم سوائے اس کے کچھ نہیں کہتے کہ

صبح کا گیا مسافر شام کو واپس
آ جائے تو اسے گیا نہیں کہتے!!

—— دہرہ دون کے میونسپل بورڈ نے ایک ہندوستانی دارالمطالعہ کی امداد اس لئے کم کر دی کہ اس میں ہندی کا کوئی اخبار یا رسالہ نہیں منگایا جاتا — بورڈ کے بعض کانگریسی ممبروں نے کہا بھی کہ یہ دارالمطالعہ صرف اردو والوں کے لئے کانگریسی مسلمانوں نے جاری کیا ہے اس لئے اس میں ہندی کے اخبارات اور رسالوں کا منگانا بیکار ہے۔ لیکن یہ بات نہیں سنی گئی۔

—— اور کوئی کیوں سنتا! — جب ہم کہتے ہیں اور خود کانگریس کے صدر اور صاحب فہم نیتا یہ کہتے ہیں کہ ہندی کو حلق میں ٹھونسنے کی پالیسی خود ہندی کے لئے مضر ہوگی تو ہندی پرستی (جو فرقہ پرستی کا گویا دوسرا نام ہے) کے ہنگامہ میں کوئی اس بات کو نہیں سنتا!

— یہ صرف عقل کی کمی نہیں ہے بلکہ ظرف کی تنگی ہے جس میں تھوڑا سا اقتدار بھی نہیں سماتا اور چھلک جاتا ہے!

انجمن کی خبریں

کرنول ۲۶ر اپریل۔ سید غوث محی الدین غیاثی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو کرنول تحریر فرماتے ہیں کہ جنوبی ہند کے مشہور سید ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی دعوت خاص پر مدراس جاتے ہوئے جناب خیر بہوروی مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کرنول تشریف لائے۔ اسٹیشن پر عثمانیہ کالج کے اساتذہ سید غضنفر علی صاحب زیدی لکچرار اردو۔ سید فقیر بادشاہ صاحب قادری لکچرار اردو۔ حکیم عبدالستار صاحب منشی اور یوسف صاحب نے حضرت خیر بہوروی کا خیر مقدم کیا۔

شب میں انجمن ترقی اردو کرنول کی طرف سے کرنول کے حامیان اردو کا ایک اجتماع عثمانیہ کالج ہاسٹل کے صحن میں منعقد ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے فرمائی اور متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی کہ ماہ جون کے آخری ہفتہ میں آندھرا کے حامیان اردو کا ایک نمائندہ اجلاس کرنول میں کیا جائے۔ کیونکہ اس موقعہ پر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی و صدر انجمن ترقی اردو (ہند) اور قاضی عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) نے بھی کرنول آنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

آندھرا میں زبان کا مسئلہ بڑا اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ اس کا حل سوچنا نہایت ضروری ہے۔ قرارداد کے منظور ہونے کے بعد محترم کے ارشاد کی تعمیل میں کرنول کے شعراء نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

آخر میں خیر بہوروی صاحب نے اپنی تقریر میں زبان کے مسئلہ کی اہمیت۔ اس کی خدمت کے طریقہ کار کی وضاحت فرمائی۔ اور بتایا کہ بدلے ہوئے حالات میں جبکہ ہمارے ذہن و فکر اور سوچنے کے انداز بھی بدل گئے ہیں اردو والوں کی حفاظت اور ترقی کے لئے کس طرح کام کرنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے "اخبار" ہماری زبان اور انجمن کی مطبوعات کی اشاعت بڑھانے کی اپیل کی۔

امراوتی برار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اسٹینڈنگ کمیٹی نے حسب ذیل قراردادیں منظور کیں۔

(۱)

یہ کمیٹی اس رویہ کو تشویش اور افسوس کی نظر سے دیکھتی ہے جو اردو

مدارس کی حیثیت کو گرانے اور ان کو ختم کرنے کے متعلق مقامی میونسپلٹی نے اختیار کیا ہے اور جو مرکزی حکومت اور نیز مدھیہ پردیش کی حکومت کی اس پالیسی کے بالکل خلاف ہے جس کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ کمیٹی مدھیہ پردیش کی حکومت پر زور دیتی ہے کہ اردو کے ابتدائی اور مڈل اسکولوں کو بدستور قائم رکھے اور ریاست کی تمام میونسپلٹیوں کو اس بارے میں ہدایت کرے۔

(۲)

گورنمنٹ اردو ہائی اسکول امراؤتی اور اردو ٹیکنیکل اسکول وردھا کو بدستور جاری کیا جائے۔

(۳)

اردو ہائی اسکول امراؤتی میں لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

(۴)

اکولا میں گرلس اردو مڈل اسکول کا درجہ بڑھایا جائے۔

کمیٹی نے ایک وفد ترتیب دیا ہے جو اس بارے میں حکام متعلقہ سے ملاقات کرے گا۔

جنوبی ہند میں اردو کی تحریک

تمیز چودھری صاحب مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو

(ہند) نے کرنول، مدراس اور حیدرآباد کے ادبی جلسوں کی شرکت سے واپس آکر اخبارات کے نمائندوں کو بتایا ہے کہ ہماری قوم میں جب تک اردو سے محبت کرنے والے "اے۔ بے۔ جلال الدین صاحب" جیسے باہمت، جوشیلے اور مخلص نوجوان موجود ہیں اس زبان کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔

"اے۔ بے۔ جلال" مدراس کے ایک متمول خاندان کے چشم و چراغ ہیں جنھوں نے اپنے باپ کی یادگار میں ایک اردو لائبریری اور دارالمطالعہ "اے۔ بے۔ اردو سمنیار" کے نام سے قائم کیا ہے جس میں اعلیٰ مذاق کی علمی، اخلاقی اور ادبی تقریباً ۵۰۰ کتابیں فراہم کی گئی ہیں۔ اس لائبریری کا متعدد ہستیوں نے معائنہ فرمایا ہے اور اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ ان میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر محی الدین قادری صاحب زور اور پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔

سمنیار اردو اے۔ بے۔ جلال الدین کو جنوبی ہند کے محسن اعظم الحاج ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی سرپرستی اور ان کے مخلص رفیق کار الحاج مولانا عبدالوہاب صاحب بخاری کی نگرانی حاصل ہے جو ترقی اور کارکردگی کی بڑی ضمانت ہے۔

اردو زبان کی خدمت کا جو صالح جذبہ ریاست مدراس کے لوگوں میں پایا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگوں میں زبان کی اہمیت کا صحیح احساس موجود ہے۔

مدراس کے دولت مند اردو کی محبت میں جمعہ کا خطبہ بھی اردو میں سنتے ہیں۔ ان کا راسخ عقیدہ ہے کہ جس زبان میں خدا کا، اس کے رسول کا، اور دین کے مقدسین کا ذکر ہوتا ہے اس کو دنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔

کرنول جو نئے صوبہ آندھرا کا کیپٹل ہے وہاں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے جو کالج قائم کیا ہے وہ بھی اپنی نوعیت کا جداگانہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کالج کی لائبریری کے لئے بہت سی نادر قلمی اور مطبوعہ کتابیں فراہم کی ہیں اور کالج کے نوجوان فن کار سے شعرا اور ادبا کی ایک مصور تاریخ مرتب کرائی ہے جس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد زبان اور ادب کی ارتقا کا سراغ مل جائے گا۔ عنقریب اس لائبریری کا افتتاح ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ فرمائیں گے۔ اسی موقع پر کرنول کی انجمن ترقی اردو کی طرف سے آندھرا کے حامیان اردو کا ایک نمائندہ اجلاس بھی ہوگا جس کی صدارت قاضی محمد عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) فرمائیں گے۔

مدراس میں انجمن ترقی اردو کی شاخ قائم ہو گئی ہے جس کے کنوینر اے۔ بے۔ جلال الدین صاحب بنائے گئے ہیں۔ قاضی صاحب مدراس بھی تشریف لے جائیں گے اور ریاست مدراس کے نمائندوں سے تبادلۂ خیال کریں گے۔

مدراس کے جس ادبی اجتماع اور مشاعرے میں میں شریک ہوا تھا اس کی ترتیب اور تہذیب میں اور دلی اور لکھنؤ کی ادبی مجلسوں کی ترتیب اور تہذیب میں فرق کرنا مشکل ہے جیسا کہ میں نے حیدرآباد کے پریس نمائندوں کو بتایا ہے کہ اردو اول تو فنا نہیں ہو سکتی اور (خاکم بدہن) ایسا ہوا بھی تو اہل مدراس اس پر آنچ نہ آنے دیں گے اور بوڑھے عبدالحق کی جوان قوتیں ریاست مدراس کو اردو کا مرکز بنا کر رہیں گی۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب جو ریاست مدراس کی زندہ تاریخ اور انسائیکلوپیڈیا ہیں، ان سے ریاست مدراس کے قدیم شعرا اور ادبا کا کلام اور ان کی خدمتوں کا تذکرہ سن کر حیرت ہوئی۔ موصوف سے میں نے گزارش کی ہے کہ وہ مدراس کی ادبی خدمتوں کی تاریخ مرتب کرا دیں جس کی سخت ضرورت ہے۔

مدراس کے ہندو شعرا کا فارسی کلام کسی طرح ایرانی شعرا سے دب کر نہیں ہے۔ ایسے شعرا کے قلمی دواوین اور ان کے حالات ڈاکٹر عبدالحق صاحب کے حفاظے میں محفوظ ہیں۔

میری درخواست پر جن نواب صاحب کے کلام سے مشاعرہ کا آغاز کیا تھا ان کا غیر مطبوعہ دیوان ڈاکٹر صاحب کے قلمی ذخیرے میں محفوظ ہے جس کی اشاعت کے بعد یہ سمجھنا مشکل ہو جائے گا کہ یہ کلام ایک مدراسی شاعر کا ہے یا لکھنؤ کے کسی باکمال استاد کا۔ ایسے نادر ذخیروں کی اشاعت کا کام مدراس کی انجمن ترقی اردو اور اے۔ بے۔ جلال الدین صاحب کے کرنے کا ہے۔ مشاعروں کی تنظیم اور شعرا کی نازبرداریوں پر

بیدریغ روپیہ صرف کرنا اردو کی خدمت نہیں ہے۔ اس سے ہمارے ادب کی عظمت نہیں بڑھ سکتی۔ بچھلوں کی زندگی اور ان کے کارنامے ہماری نسلوں کے لئے نشانِ راہ کا کام دیتے ہیں۔ اسی لئے زندہ قومیں مشاہیر پرستی کو اپنی قومی زندگی کا جزو سمجھتی ہیں۔ قوموں کی تاریخ مشاعروں سے نہیں بنتی مشاہیر کی زندگیوں سے بنتی ہے اور اسی سے زندگی میں عزم اور حوصلہ کی روح پیدا ہوتی ہے۔

مولانا بحر العلوم کا مزار مدراس میں ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہل مدراس نے اپنے مشاہیر کی ہمیشہ قدر کی ہے۔

سمینار کے سالانہ مشاعرے میں جنوبی ہند (کرناٹک) آمبور، ویلور ترچناپلی۔ عمرآباد اور کرنول کے علاوہ مدراس کے کئی کہنہ مشق اور عمر رسیدہ اصحاب نے اپنے کلام سنائے اور ریاست مدراس کے بہت سے کالجوں کے پرنسپل، پروفیسرس اور لکچراروں نے اردو کی توسیع اور اشاعت کے والہانہ ذوق کا ثبوت دیا۔

مجھے امید ہے کہ دوبارہ جب مدراس کا آب و دانہ مجھے وہاں پہنچائے گا تو آج کے "اردو کے خادم" "مخدوم" بن چکے ہوں اور میں انھیں دیکھ کر فخر کے ساتھ یہ کہوں گا کہ

"ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"

بلند شہر خضر برنی صاحب سکریٹری شاخ انجمن ترقی اردو اطلاع دیتے ہیں کہ ۲۰ ارمئی ۱۹۵۵ء کو انجمن ترقی اردو شاخ بلند شہر کی ایک خصوصی نشست میں مرکزی دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) کی وہ قرارداد جو انجمن کی مجلس عاملہ نے ۱۲ فروری کو منظور کی ہے پیش ہوئی جس کی بہ اتفاق آرا تائید کی گئی اور جناب قاضی عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن پر اظہارِ اعتماد کیا گیا۔ نیز اسی نشست میں وزارت تعلیم کے گشتی مراسلہ کی تعمیل و تکمیل میں امداد دینے کے لئے پانچ افراد پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنادی گئی جو مقامی مدارس کے طلبا اور طالبات کے سرپرستوں سے تصدیق نامے حاصل کرکے مدرسین متعلقہ کو پیش کرے گی جس کی رپورٹ وقتاً فوقتاً مرکز کو جاتی رہے گی۔

دہلی سوزی کو دہلی کے وزیر ترقیات مسٹر گوپی ناتھ امن نے کیفی لائبریری کا افتتاح کرتے ہوئے علامہ برج موہن دتاتریہ کیفی کو جن کے نام پر یہ لائبریری قائم کی گئی ہے خراج عقیدت پیش کیا۔ ان کی بیش بہا ادبی خدمات کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ ادب اور قومیت کا جذبہ پیدا کرنے میں کیفی صاحب کا بہت بڑا حصہ ہے اور انھوں نے عام مشاعروں کی یاس اور ناامیدی کی روش سے ہٹ کر ایک نئی روش اختیار کی ہے اور ملک کا مستقبل روشن ہونے کا پیغام دیا ہے۔ آپ نے کیفی لائبریری کے قیام کے سلسلہ میں شری دھرم پال گپتا وفا اور شری گنبیر کشور ماتھر کی کوششوں کو سراہا۔ لائبریری کے افتتاح کے لئے امن صاحب سے درخواست کرتے ہوئے جناب گلزار دہلوی نے شری دھرم پال گپتا وفا اور شری گنبیر کشور ماتھر کی کوششوں کی توصیف کی اور کیفی لائبریری کی طرف سے ان حضرات کا جنھوں نے لائبریری کے لئے کتابیں عطا کی ہیں شکریہ ادا کیا۔ حاضرین میں شہر کے سرکردہ میونسپل کمشنر، وکیل، ڈاکٹر، سرکردہ شعرا و ادیب تشریف رکھتے تھے۔

تقریب کے اختتام پر علامہ کیفی تشریف لائے جن کا دروازہ پر استقبال کیا گیا۔

بہار میں اردو زبان کی مشکلات

کس طرح راستے بند کئے جارہے ہیں

اخبار سنگم کے نامہ نگار کا بیان

یہ عجیب بات ہے کہ بہار کی دونوں یونیورسٹیوں کو ملاکر بندرہ سو سے اوپر لکچرار موجود ہیں۔ ان میں کل تیس اردو کے لکچرار ہیں۔ بہار یونیورسٹی میں انگریزی حساب، تواریخ، فلسفہ، سنسکرت، انتھروپولوجی، معاشیات، طبیعیات، کیمیا جغرافیہ اور پالی میں ایم اے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چالیس پچاس کالج بہار یونیورسٹی سے ملحق ہیں مگر وادری بدنصیب اردو کہیں ایم اے نہیں۔ لنگٹ سنگھ کالج مظفر پور، ٹی این جوبلی کالج بھاگلپور، گورنمنٹ کالج سانچی ناسا میں ایم اے نہیں ہے۔ اردو کے بعض دوستوں کے خطوط سے جو حالات معلوم ہوئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

ادھر کچھ دنوں سے مانبھوم کو بنگال میں شامل کرنے کی تحریک کافی تیز ہوگئی ہے۔ تحریک کا مرکز پورولیہ ہے جہاں بنگالیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اور ان لوگوں سے کچھ کا تعلق کسی نہ کسی طرح حکومت بنگال سے ہے۔ اس تحریک کو زندہ اور برقرار رکھنے کے لئے مختلف ذرائع کام میں لائے جارہے ہیں۔ سب سے اہم اور خطرناک حربہ جو اس سلسلہ میں استعمال کیا جارہا ہے وہ یہ زبان کا مسئلہ۔ زبان کا مسئلہ چھیڑ کر وہ اصل میں مانبھوم کی فضا کو ناسازگار بنانا چاہتے ہیں۔

گذشتہ سال سے یہ جدوجہد بہت تیز ہوگئی ہے اور بہت حد تک انھیں اس میں کامیابی بھی ہوئی ہے۔ ہندی کے خلاف تو وہ کھلم کھلا آواز نہیں اٹھا سکتے کیونکہ یہ سرکاری زبان ہے لیکن ان سے جہاں تک ہو سکتا ہے اندرونی طور پر ہندی کی بھی مخالفت کررہے ہیں کیونکہ یہ چیز بھی ان کے مقصد کی تکمیل میں مانع ہے۔ بہرکیف یہ کہنا ہے کہ اس سلسلے میں ہندی سے کہیں زیادہ اردو دشمنی کا ثبوت پیش کیا جارہا ہے۔ مانبھوم کے دیہاتوں اور خاص پورولیہ شہر میں بھی اردو پڑھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے کیونکہ اردو ان کی زبان ہے اس لئے آئندہ بھی اردو ہی پڑھنا چاہتے ہیں اور اپنے گھر کے بچوں کو بھی اردو پڑھانا چاہتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پورولیا ضلع سے ہر سال اردو کے طالب علموں کی اچھی خاصی تعداد

میٹرک پاس کرتی ہے۔

مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر پورنیا جے ایس کالج میں اردو کو بھی رکھا گیا۔ اور یہی نہیں بلکہ فارسی کو بھی اختیاری سبجیکٹ میں رکھا گیا۔ اردو کمپوزیشن Composition کی حیثیت سے قائم رہی۔ لہذا ظاہر ہے کہ اردو ہی نہیں بلکہ فارسی سے بھی لڑکوں کو ذوق تھا اور اس کے لئے ہمیشہ ایک لیکچرر ہے لیکن گزشتہ سال اردو کے لیکچرار کو نکال باہر کیا گیا، ان کو یہ کہکر ہٹا دیا گیا کہ اردو کے طلباء نہیں آتے ہیں حالانکہ ہر کلاس میں اردو کے طلباء موجود تھے۔ دیگر یونیورسٹی کا رزلٹ دیکھا جائے تو معلوم ہوگا جب سے کالج کھلا ہے کوئی سال ایسا نہیں کہ اردو کے طلباء نے آئی اے نہ پاس کیا ہو اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ اردو کے طلباء کا داخلہ بھی بڑی مشکلوں سے ہوا کرتا تھا۔ کمزور لڑکوں کو یہ کہہ کر کہ اردو ختم ہو جائے گی لہذا تمہارا سال برباد جائے گا، خوف دلایا جاتا تھا کہ وہ داخلہ نہ لیں۔ اس طرح متواتر چند سال قائم رہنے کے بعد اردو کو جے ایس کالج سے ختم کر دیا گیا اور ساتھ ساتھ یہ اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ سیشن سے اردو کے طلباء کا داخلہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ خبر اردو پڑھنے والوں کے لئے بڑی المناک اور مایوس کن تھی۔ لہذا گزشتہ سال پورنیا کے شہریوں کا ایک وفد سب سے پہلے مسٹر غلام سرور ایڈیٹر ... ان کے مشورے اور تعاون سے وزیر اعلیٰ بہار سے ملا اور ان کے سامنے تمام حالات رکھے۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی جانب سے فون پر گفتگو کی اور وفد کو یقین دلایا کہ وہ بہت جلد تحقیق کرائیں گے اور کوشش کریں گے کہ آئندہ سے ماہ جون میں اردو کے ساتھ کسی کو ناروا سلوک کرنے کا موقع نہ ملے گا چنانچہ حکام بالا کی مداخلت پر دوبارہ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں اردو کو جے ایس کالج پورنیا میں دو مہینے کی جگہ ملی لیکن کالج کے ان بنگالی منتظمین کو جو ماہ جون کو بنگال میں ملانے کی تحریک میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں یہ بات پسند نہ آئی لہذا انھوں نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا۔ وہ یہ کہ آئی اے کے سال اول میں صرف میٹرک سپلیمنٹری امتحان سے پاس شدہ لڑکوں کا داخلہ منظور کیا اور فائنل سے پاس شدہ لڑکوں کا داخلہ یہ کہہ کر نا منظور کر دیا کہ ان کا لیکچر پورا نہ ہو سکے گا کیونکہ سیشن جولائی سے شروع ہوتا ہے اور اردو کی منظوری اکتوبر میں ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً دس لڑکے جو اردو پڑھنا چاہتے تھے داخلہ نہ لے سکے۔ اس میں ان کی چال یہ بھی کہ صرف سپلیمنٹری سے پاس کئے ہوئے چند لڑکوں کا داخلہ لے کر آئندہ سال یونیورسٹی کو یہ دکھایا جا سکے کہ اردو کے طلباء بہت کم ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اردو پڑھنے والے لڑکے بنگلہ پڑھنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ ان کے پاس اتنے پیسے تو ہیں نہیں کہ وہ دوسرے بڑے شہروں میں جا کر اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں مجبوراً وہ بنگلہ پڑھیں گے۔

گزشتہ سال سے جے ایس کالج پورنیا میں بی اے بھی کھل گیا ہے۔ بی اے کے سال اول میں بڑی دقتوں کے بعد دو ایک اردو کے طلباء داخلہ لے سکے ہیں لیکن ان کے لئے اردو پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو دوسرے طلبہ داخلہ لینے میں ہچکچاتے ہیں۔ انھیں ہمیشہ اس بات کا خوف دلایا جاتا ہے کہ خواہ مخواہ ان کا سال برباد ہو جائے گا۔ ضرورت ہے کہ جے ایس کالج پورنیا میں اردو لیکچرر کی تقرری کے سلسلے میں جلد سے جلد کوئی عملی قدم اٹھایا جائے کیونکہ پورنیا کے اردو پڑھنے والے طبقہ میں بڑی بے چینی اور مایوسی ہے۔

مظفرپور کالج میں تقریباً دس سال سے فارسی آنرز کی پڑھائی ہوتی ہے۔ اس کے بہت مدت بعد کھلنے والے آنرز کے مضامین کو ایم اے کے لئے مستحق سمجھا گیا لیکن اردو اور فارسی کا کوئی خیال نہیں کیا گیا۔ اولاً تو طلباء کی تعداد تعلیم کی فراہمی کی راہ میں زیادہ قابل اعتنا نہیں، پھر بہت سے مضامین جن میں ایم اے شروع کیا گیا ہے ان سے زیادہ طلباء اردو فارسی ایم اے کے لئے مستعد ہیں۔

انجمن کی ایک قرارداد

صدر دفتر انجمن ترقی کا حسب ذیل بیان اترپردیش کے اکثر اخباروں میں شائع ہو چکا ہے۔ ہماری زبان کے ناظرین کی آگاہی کے لئے اس کو نقل کیا جاتا ہے:-

پچھلے عرصہ میں بعض ایسے ناخوشگوار حالات پیدا ہو گئے تھے جن کا اثر انجمن ترقی اردو کی تنظیم پر پڑ سکتا تھا۔ اس لئے انجمن کی مجلس عام نے گزشتہ ۶ فروری کو ان حالات پر غور کرنے کے بعد ایسی غلط فہمیوں کو جو بعض حلقوں میں علی گڑھ کی مجوزہ اردو کانفرنس میں جنرل سکریٹری کی شرکت کے متعلق پیدا ہو گئی تھیں رفع کرنے کے لئے بہ اتفاق آراء حسب ذیل قرارداد منظور کی جو انجمن کے حسب ہدایت شائع کی جاتی ہے:-

قرارداد

۱۔ انجمن کی مجلس عام کی یہ متفقہ رائے ہے کہ علی گڑھ میں منعقد ہونے والی اردو کانفرنس کی مجلس عاملہ میں قاضی محمد عبدالغفار صاحب کی شرکت اور اس کی کارروائیوں سے تعاون نیک نیتی پر مبنی تھا اور انھوں نے بھی عمداً انجمن ترقی اردو کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ انجمن کو ان پر پورا اعتماد ہے۔

اردو زبان اور دیوناگری رسم خط

میں نے ہماری زبان (مورخہ یکم فروری ۱۹۵۵ء) میں اردو کو دیوناگری رسم خط میں لکھنے کی تائید کی تھی۔ اس کے بعد رسول احمد صاحب کے دو مضامین شائع ہوئے اور انھوں نے اس خیال کی خامیاں نکالیں۔ مجھے اُن کے اعتراضات کے متعلق یہ کہنا ہے :-

۱۔ اردو کو دیوناگری میں لکھنا ممکن!

رسول احمد صاحب نے (ہماری زبان مورخہ ۸ اپریل ۱۹۵۵ء) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو کو دیوناگری میں نہیں لکھا جا سکتا۔ اس سے پہلے بھی بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا تھا لیکن اگر ایک مرتبہ یہ ثابت ہو جائے تو پھر اردو ادب کے دیوناگری رسم خط میں شائع ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھے گا۔ حالانکہ ابھی حال ہی میں محمود احمد صاحب ہنر نے "دیوان غالب" (دہر پرکاشن الہ آباد) ہندی میں شائع کیا ہے۔ ایک کتاب "استاد ذوق" بھی ہندی میں نظر سے گزری۔ انوار بک ڈپو (لکھنؤ) شرح دیوان غالب ہندی میں شائع کرنے والا ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے شعراء کا کلام بھی ہندی میں چھپ رہا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اردو کو دیوناگری میں لکھا جا سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دیوناگری میں عربی اور فارسی الفاظ کو بالکل صحیح طور پر نہیں لکھ سکتے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ عیب دنیا کے ہر رسم خط میں پایا جاتا ہے۔ حروف کی مدد سے الفاظ کو ایک دم صحیح نہیں لا سکتے۔ صحت سے قریب تر ضرور لا سکتے ہیں۔ انگریزی Spelling کے عیب سے کون واقف نہیں۔ پٹ Put اور بٹ But میں "یو" کی آواز کس قدر مختلف ہے۔ کلر Colour میں "یو" غیر ضروری ہے۔ اسی طرح سیکڑوں مثالیں انگریزی یا رومن رسم خط کے عیب سے متعلق پیش کی جا سکتی ہیں۔ عربی رسم خط بھی اس عیب سے بری نہیں۔ بالکل میں "الف" اور حتیٰ میں "ی" آواز نہیں دیتے۔ القمر میں "ل" آواز دیتا ہے لیکن الشمس میں نہیں دیتا۔ اگر ہم عیب جوئی پر اتر آئیں تو دنیا کا ہر رسم خط ناقص ثابت ہوگا لیکن پھر بھی دنیا کا کاروبار چل رہا ہے۔

رسول احمد صاحب نے اپنے مضمون میں بعض اردو الفاظ کو دیوناگری میں لکھ کر یہ استدلال کیا ہے کہ اردو کو دیوناگری میں لکھنا ناممکن ہے۔ انھوں نے بعض الفاظ غلط لکھے ہیں اور بعض کا پڑھنے کا طریقہ غلط بتایا ہے۔ مثلاً انھوں نے (शायर) کا تلفظ بجائے "شاعر" کے "شایر" بتایا ہے۔ میں نے اسے کئی ہندی جاننے والوں سے پڑھوا کر دیکھا اور سب نے اسے شاعر ہی پڑھا۔ اس میں آ کی ماترا اور یا مل کر (اے) کی آواز دیتے ہیں جیسے (चाय) چائے میں۔ غالباً رسول احمد صاحب اسے (چایا) پڑھیں گے۔

ایک دوسری مثال لیجئے۔ رہبر کو دیوناگری میں یوں (रहबर) لکھیں گے اور رہبر ہی پڑھیں گے۔ انھوں نے اس کا تلفظ "رہَبَر" بتایا ہے اس لئے کہ دیوناگری میں حروف صحیح کے آخر میں حرف علت "ا" جڑا رہتا ہے۔ مگر شاید انھیں یہ خبر نہیں کہ حروف کو ملا کر پڑھتے وقت اس "ا" کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ لفظوں میں آنے والے حروف کو الگ الگ علیحدہ پڑھنے کا کسی بھی لکھائی میں رواج نہیں ورنہ انگریزی لفظ (CAT) کو سی اے ٹی پڑھا جاتا اور اکبر کو "الف۔ کاف۔ بے۔ رے"۔ جیسے اردو (فارسی یا عربی) میں الف کے شروع کی آواز نہیں دی جاتی ہے۔ "ل" اور "ف" کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ ویسے ہی ہندی میں حرف صحیح کے آخر میں آنے والے "ا" کو حذف کر دیتے ہیں۔

۲۔ تلفظ کی تبدیلی

رسول احمد صاحب کا یہ خیال صحیح ہے کہ دیوناگری رسم خط میں اردو الفاظ کا تلفظ کس قدر مسخ ہو جائے گا۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اردو والے آخر صحت لفظی کے لئے کیوں اتنا مصر ہیں۔ الفاظ کا تلفظ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ (کشتی) پہلے (کشتی) تھا اور اس سے پہلے (گشتی)۔ اسی طرح (چلمچی) کی اصل (سلپچی) اور (سیلابچی) ہے۔ آخر ان لفظوں میں کیوں تبدیلی ہوئی۔

میری فہم میں فن تحریر سے جہاں بہت سے فائدے ہوئے ہیں وہاں ایک نقصان بھی ہوا ہے یعنی قلمبند کرنے کی وجہ سے الفاظ کا تلفظ مقرر ہو گیا ہے اور لفظوں کا ارتقا رک گیا۔ اگر فن تحریر نہ ہوتا تو عربی فارسی الفاظ کی یہ شکل آج نہ ہوتی بلکہ کچھ اور ہوتا۔

بہرحال جس طرح انگریزی کے الفاظ (Bottle) اور (Hospital) ہندوستانی میں بوتل اور اسپتال ہو گئے اسی طرح اگر عربی اور فارسی کے بعض الفاظ کا تلفظ اردو میں بدل جائے تو کیا حرج ہے۔ بیرونی زبانوں کے مخصوص حروف (فارسی ــ ژ، عربی ــ ث، ح، خ، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، غ وغیرہ) کے لئے نشانات بھی وضع کئے جا سکتے ہیں۔

۳۔ اندیشے اور فکریں

رسول احمد صاحب نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ اکثریت کے احیائی رجحانات سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر اردو کو دیوناگری میں لکھا جائے گا تو اردو اور ہندوستانی مسلمان دونوں مٹ جائیں گے۔ اس کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ انھیں اندیشوں نے پاکستان کو جنم دیا ہے۔ پہلے مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ہندوؤں کے ساتھ قبول کر رہیں گے تو ہندو ہمیں کھا جائیں گے۔ اسی لئے انھوں نے الگ رہنے کی ٹھانی اور پاکستان بنا لیا۔ اب اردو زبان کو اردو رسم خط میں لکھ کر وہ ہندی والوں سے الگ رہنا چاہتے ہیں اور اس کا انجام بھی ظاہر ہے یعنی اردو کا دائرہ دن بدن گھٹ کر ختم ہو جائے گا لیکن اگر اردو کو دیوناگری رسم خط میں لکھنا رواج پا گیا تو جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے وہ یقیناً بہت ترقی کر جائے گی اور اس کا دائرہ بھی وسیع ہو جائے گا۔

۴۔ ایک نیا تجربہ

اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم خط اختیار کرنا مفید ہوگا یا مضر۔ اس کا فیصلہ محض بحث و مباحثہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے تجربہ کی ضرورت ہے

ہمیں چاہیے کہ کم از کم دو چار اردو اخبار دیوناگری حروف میں چھاپیں۔ ایسے اردو اور ہندی دونوں حلقوں میں مقبول بنانے کی کوشش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ حکومت ایسے اخبارات کی سرپرستی کرے اور وسیع النظر ہندی دان ہندی دنیا میں ان کی خریداری بڑھائیں۔ اردو زبان کو دیوناگری حروف میں لکھنا وسعت نظر کی دلیل ہے اور مجھے امید ہے کہ ہر وسیع النظر شخص ایسے اخبارات و رسائل کی قدر کرے گا۔

رسالوں کا معاملہ روزانہ اخبارات سے زیادہ آسان ہے۔ افسانے اور علمی تحریریں شائع کرنے والے رسالے اس تبدیلی کا تجربہ کر سکتے ہیں اور اردو کی بہت سی کتابیں بغیر کسی لفظی تبدیلی کے دیوناگری حروف میں چھاپی جا سکتی ہیں۔ رتن ناتھ سرشار کا "فسانۂ آزاد" اس کی ایک مثال ہے جو عرصہ ہوا دیوناگری حروف میں چھپا تھا۔

۵۔ اردو سے گریز ناممکن

ہندی والوں کا اردو سے گریز یا فرار ناممکن ہے۔ جب سے ہندی کو قومی زبان قرار دیا گیا ہے کم و بیش دوسری زبان والوں کو بھی ہندی پڑھنا پڑ رہی ہے۔ جب اردو جاننے والے ہندی پڑھ کر ہندی لکھیں گے تو اردو کے سہل الفاظ بھی استعمال کریں گے۔

منشی پریم چند اور سدرشن کی مثال ہمارے سامنے ہے جو پہلے اردو میں لکھتے تھے لیکن بعد میں ہندی میں لکھنے لگے اور ان کے ہندی افسانوں میں بکثرت اردو کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

جب اردو کے اخبارات، رسائل، کتابیں دیوناگری حروف میں شائع ہوں گی اور ہندی والوں کی نظر سے گزریں گی تو اردو کے بہت سے الفاظ ان کی زبان پر چڑھ جائیں گے۔

پھر اگر ہندی والے سنسکرت کے سوا کسی دوسری زبان سے خوشہ چینی کرنا نہیں چاہتے تو یہ ان کی بڑی تنگ نظری ہوگی۔ انہیں اردو، عربی، فارسی، انگریزی سب ہی زبانوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اس وقت انگریزی کا شمار دنیا کی معزز زبانوں میں ہوتا ہے لیکن اس میں سیکڑوں الفاظ ہندوستانی اور عربی کے کام آتے ہیں۔

۶۔ ہندوستانی کا ارتقاء

رسول احمد صاحب نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ "ایک حد تک اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم خط کا استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں جبکہ اردو رسم خط اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے دیوناگری رسم خط کے ذریعہ اردو زبان کے مسخ ہونے کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ہندی زبان سے جو آج الٹی گنگا بہائی جا رہی ہے اور ہندی کے نادان دوست ہندی کو جس طرف لے جا رہے ہیں اس پر بھی یہ صورت حال اپنا اثر ڈالے اور اردو اور ہندی دونوں زبانیں اعتدال پر آ جائیں۔"

میں ان خیالات سے متفق ہوں۔ اردو اور ہندی زبانوں کے قریب آنے کے معنی یہ ہیں کہ اردو سے عربی اور فارسی کے ادق الفاظ خارج ہو جائیں اور ہندی سے سنسکرت کے مشکل الفاظ اور جب سہل ہندی اور سہل اردو ایک ہی رسم خط (یعنی دیوناگری) میں لکھی جائیں تو اسے ہم ہندوستانی کہیں گے۔

اگر اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم خط اختیار کر لیا جائے تو آج ہندی زبان میں جو سنسکرت کے الفاظ بھرتی کئے جا رہے ہیں ان میں کمی ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اردو کے سبک اور شیریں الفاظ کے مقابلے میں سنسکرت کے ثقیل اور کرخت الفاظ کبھی مقبول نہ ہوں گے۔ زبان ادیبوں اور شاعروں کی ملکیت نہیں اس پر عوام کا بھی حق ہے اور عوام انہیں الفاظ کو اپنائیں گے جن کا تلفظ آسان ہو اور جن میں رس اور مٹھاس ہو۔

اسی طرح جب اردو کو دیوناگری میں لکھا جائے گا تو اس سے بہت سے عربی فارسی کے ادق الفاظ اور ترکیبیں خارج ہو جائیں گی۔ باقی وہی رہ جائیں گی جنہیں عوام آسانی سے ادا کر سکتے اور سمجھ سکتے ہیں۔

اردو کو زیادہ سے زیادہ عوام تک پہنچانے کے لئے دیوناگری رسم خط بہترین ذریعہ ہے۔ میں نے اکثر اپنے ہندی جاننے والے احباب سے اردو کی تعریف سنی ہے لیکن وہ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہم اردو کو سمجھ تو لیتے ہیں مگر پڑھ نہیں سکتے۔ فارسی رسم خط اردو اور ہندی دنیا میں دیوار بنا ہوا ہے۔ اسے گرا دینے کے بعد ہی ہم ایک دوسرے سے قریب ہو سکتے ہیں۔

۷۔ اردو اور ہندی کے جھگڑے کا حل

زبان کے سلسلے میں جنگ و اختلاف جو کچھ ہے وہ رسم خط کا ہے۔ قاضی عبدالغفار صاحب نے (ہماری زبان مورخہ ۱۵ دسمبر [illegible]) میں لکھا تھا "اردو کے حامیوں کی اکثریت اردو اور ہندی کو دو الگ الگ زبانیں نہیں مانتی اور اسی لئے دو رسم خط اور ایک قومی زبان کے فارمولے کو آج تک مانے جاتی ہے۔"

یہ بات بالکل صحیح ہے۔ حکومت ہند کے وزیر اطلاعات ڈاکٹر بی وی کیسکر نے ۱۵ فروری [illegible] کو حیدرآباد میں "ہندی پرچار سمیلن" میں اپنی افتتاحی تقریر میں (جو ان کی عدم موجودگی میں پڑھ کر سنائی گئی تھی) کہا کہ "وہ اردو اور ہندی کو ایک ہی زبان کے دو روپ مانتے ہیں۔ رسم خط کے مسئلے کو دستور نے دیوناگری کے استعمال کی سفارش کر کے آسان بنا دیا ہے۔ ہندی کی ان دونوں شاخوں کو یہ رسم خط قبول کر لینا چاہیے۔"

ڈاکٹر کیسکر نے آگے چل کر کہا کہ "واحد رسم خط کی اہمیت کو ہندوستان کو محسوس کرنا چاہیے کیونکہ اگر ایک رسم خط قبول کر لیا جائے تو مادری زبان کے علاوہ دوسری زبان کے سیکھنے میں آسانی ہوگی۔"

(قومی آواز مورخہ ۱۶ فروری [illegible])

میں ان خیالات سے بالکل متفق ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ اگر اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم خط اختیار کر لیا جائے تو اردو ہندی کا جھگڑا بڑی حد تک کم ہو جائے گا۔

مورخہ ۱۷ مئی [illegible]

محمد اسحٰق صدیقی

[ابھی تک اس سوال کا کوئی جواب کسی صاحب نے نہیں دیا ہے کہ

دو سو تین سو برس سے اردو ادب کا جو انمول سرمایہ فارسی رسم خط میں جمع ہوا ہے اور جو آج بھی اردو ادب کے ارتقا کی بنیاد اور روح ہے، اس کا کیا حشر ہوگا۔ اگر ہماری آئندہ نسلیں اردو رسم خط سے بیگانہ ہو گئیں اور خود ان نسلوں کا کیا حشر ہوگا جو اتنے بڑے قومی اور تہذیبی سرمایہ سے محروم ہو جائیں گی؟ کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں]

(ہماری زبان)

احتیاط اور رواداری ۔ وزیر اعظم کا مشورہ

وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ ہندی کو کل ہند زبان بنانے کی تعمیری کوشش ہونا چاہیے۔ یہ کوشش ڈھنگ سے کی جانی چاہیے جس سے کسی بھی علاقائی زبان کی مخالفت کا پہلو نہ نکلتا ہو۔

پنڈت نہرو نے یہ الفاظ کانگریس
پارلی منٹری کے اس جلسہ میں کہے
جس کی کارروائی گذشتہ ہفتہ بند
کمرے میں ہوئی تھی۔

زبان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے کہا کہ زبان کے بارے میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اس پر بحث کی جا سکتی ہے لیکن میں آپ لوگوں سے درخواست کروں گا کہ اس مسئلہ پر بحث کے وقت جارحانہ رویہ نہ اختیار کیجیے۔ اس سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور الجھ جاتا ہے اور بدمزگی پیدا ہو جانے کی وجہ سے ہندی زبان جس کو ہم پورے ہندوستان میں مقبول بنانا چاہتے ہیں اس کی طرف سے لوگ بدظن ہو جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سی باتیں اکثریت کے ووٹ سے طے کی جاتی ہیں لیکن جہاں کسی چیز کے لئے ایک خوشگوار دوستانہ اور ہمدردانہ ماحول پیدا کرنا ہو وہاں اکثریت کے زور پر فیصلے نہیں کئے جاتے بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی دلی حمایت اور ہمدردی حاصل کرنی ہوتی ہے۔

جنوبی ہند

وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ جہاں تک زبان کے متعلق فیصلہ کا تعلق ہے وہ شمالی ہند اور جنوبی ہند دونوں کے اتفاق رائے سے ہوا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جنوبی ہند میں دستور کے اس فیصلہ پر عمل درآمد بھی کیا جا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ آپ اس کی رفتار کو سست سمجھیں اس لئے میری درخواست ہے کہ بجائے اس کے کہ شمالی ہند کے لوگ جنوبی ہند کے لوگوں پر اعتراض کریں یہ بہتر ہوگا کہ وہ اس کام کو خود جنوبی ہند کے لوگوں کے لئے چھوڑ دیں کہ وہاں کے لوگ خود دستور کے متفقہ فیصلے کو پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دیں۔

خوشگوار فضا کو پیدا کرنے کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ زبان کے بارے میں اختلافی اور الجھن پیدا کرنے والی باتوں پر زور دینے کے بجائے متفقہ باتوں پر زور دیا جائے اور خود لوگوں کے اندر علاقائی زبان کے بارے میں جوش و خروش پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس طریقہ پر تنازعہ اور اختلاف کی گنجائش نہ باقی رہے گی اور قومی زبان کے پورے ہندوستان میں مقبول ہونے کے لئے بہتر فضا پیدا ہو سکے گی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ اپنی رائے کا اظہار نہ کیجیے یا کہ آپ مسئلہ پر بحث و مباحثہ نہ کیجیے۔ لیکن یہ بحث و مباحثہ دوستوں میں ہونا چاہیے جو بالآخر کسی متفقہ نتیجہ پر پہنچیں گے نہ کہ دو مخالف گروہوں میں جو کبھی متفق نہیں ہو سکتے۔

یوگوسلاویہ

پنڈت نہرو نے بتایا کہ یوگوسلاویہ میں تین زبانیں اور دو رسم خط کے ساتھ رائج تھیں ان تینوں زبانوں کو دونوں رسم الخط کے ساتھ مشترکہ قومی زبانیں قرار دے دیا گیا۔ ان تین زبانوں میں سے سربین زبان سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ اس کے بولنے اور سمجھنے والے سب سے زیادہ ہیں لیکن یوگوسلاویہ کے سابق وزیر نے مجھ سے بتایا کہ حکومت اس کا بہت زیادہ خیال رکھتی ہے کہ کسی طرح یہ محسوس نہ ہونے پائے کہ ان تینوں زبانوں میں سے کسی ایک زبان کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے تاکہ دوسری زبانوں کے بولنے والوں کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔

پنڈت نہرو نے کہا کہ اس قسم کے نازک مسائل میں عقل مند ممالک بہت محتاط رویہ اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ ذرا سی بے اعتدالی سے گرہیں پڑ جاتی ہیں جن کی بنا پر تمام قوت ایک دوسرے کی مخالفت میں ضائع ہوتی ہے اور کوئی مفید اور تعمیری کام نہیں ہو پاتا۔ اس لئے ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم زبان کے معاملہ میں تنازعہ اور الجھن پیدا کر کے اپنی قومی زبان ہندی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے بلکہ اس کی تیز مقبولیت کی راہ میں روڑے اٹکائیں گے۔

سجاد ظہیر کا ایک خط

(دل کی فضا میں بُعد زمان و مکان نہیں)

سنٹرل جیل
بلوچستان
۸ مارچ ۱۹۵۵ء

محترمی قاضی صاحب زاد لطفہٗ۔ تسلیم

آپ کی عنایتوں کا کیسے شکریہ ادا کروں۔ آپ کی بھیجی ہوئی جو کتابیں بارے خدا خدا کر کے گذشتہ ہفتہ مجھے مل ہی گئیں! دو مہینوں سے زیادہ ہی ہوئے جب رضیہ نے مجھے مطلع کیا تھا کہ آپ انجمن کی شائع کی ہوئی کتابیں مجھے بھیجنا چاہتے ہیں میں نے ان کی فوراً فرمائش کی اور مسرت ہے لکھی کہ وہ براہ راست میرے پتے پر علی گڑھ سے بھیجی جائیں لیکن نہیں اس کے

میری ہدایت انھیں سے وہ لاہور کے پتے پر روانہ کر دی گئیں۔ پھر وہاں اگر معلوم نہیں کتنے دنوں پڑی رہیں۔ بہت کچھ تاکید اور طلب و تشنیع کے بعد وہاں سے بھیجی گئیں۔ اور وہ بیرجو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ایک بڑی مشکل ہے کہ ہند اور پاکستان میں شائع ہونے والی کتابوں اور رسالوں کے ایک ملک سے دوسرے میں جانے میں کتنی سخت رکاوٹیں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہاں جو ادبی رسالے شائع ہوتے تھے ان کے بیشتر خریدار تقسیم کے بعد بھی ہندوستان میں ہی تھے (مثلاً ساقی، ادب لطیف، سویرا وغیرہ) اب یہ سب بانسے دیا کر رہے ہیں کہ روپیہ کے لین دین کی بندش کے سبب ہند کا مارکٹ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ پھر کاغذ کی گرانی بلکہ نایابی الگ ہی اسی طرح وہاں کے رسالے یہاں نہیں آ سکتے۔ خیر اس قسم کی تو بہت سی باتیں ہیں جو آپ مجھ سے بہتر جانتے اور محسوس کرتے ہوں گے

آپ سے اتنی بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شروع کہاں سے کروں اور اگر شروع بھی کر دوں تو بڑی مشکل ہے یہ جو ایک صفحہ آپ کو خط لکھنے کے لئے ملا ہے اس میں سب کی سب لکھ کیسے دوں۔ اور پھر سب اتنی بھی نہیں کہ کہی جا سکیں۔

حیات اجمل پڑھنے کا مدتوں سے اشتیاق تھا۔ بمبئی میں اس کے مسودے کے کچھ حصے پڑھے بھی۔ خیر شکر ہے کہ یہ خواہش کئی برس کے بعد سہی لیکن پوری تو ہوئی۔ سب سے پہلے میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا اور کل ختم کر دی۔ آپ کی تحریر میں شگفتگی اور روانی ایسی ہے کہ ایک بار شروع کر کے کتاب رکھنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ پھر اس کتاب کا موضوع بھی ایسا ہے جس میں نسل پہلے کے بہترین نفوس میں سے ایک کی انھیں کاوشوں اور کاہشوں کا ذکر ہے جو ہم ان کے فرزند اور شاگرد آخر کسی نہ کسی طرح دوسرے ماحول اور دوسری طرح سے آج بھی جاری کئے ہوئے ہیں اور یہ قصہ "تمام" "پارینہ" بھی تو نہیں۔ یہ اچھا ہے کہ ان کی حیات کا مطالعہ کر کے ہم اپنے سینوں کے داغ تازہ کرتے رہیں۔ یونہی چراغ سے چراغ جلیں گے اور مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ ہماری حیات ہی کی تاریکیاں بالآخر چھٹیں گی اور جدید تعمیر امن و مودت کے جو خواب ان بزرگوں نے دیکھے تھے ضرور شرمندۂ تعبیر ہوں گے

حیات اجمل میں آپ نے ایک عظیم المیہ لکھا ہے جس سے تزکیۂ نفس تو ضرور ہوتا ہے جیسا کہ ہر ایک سچے اور بڑے المیہ کا خاصہ ہے لیکن میری ناچیز رائے میں محض اسی پہلو کو سامنے رکھنا کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتاب تاریخ دنیا بلکہ دراصل جاننے کی زندہ تاریخ اور جیتے جاگتے سلسلہ ہے۔ اس میں ان نظریوں اور اعمال کا تجزیہ بھی ہے اور اگر ہے تو پھر یقیناً خوش ہے جن کے نتیجے کے طور پر متواتر ناکامیوں اور مایوسیوں کا سامنا دیکھنا پڑا اور اگر یہ تجزیہ ہو تو پھر آگے کا وہ راستہ کیسے نظر آئے گا جو گذشتہ ناکامیوں سے گذرتا ہوا کامیابی اور کامرانی کی منزل تک ہم کو پہنچائیگا۔ وہ المیہ جس سے تزکیۂ نفس ہو پاک اور قابل احترام ہے۔

راہ حق پر چلنے والوں کی شہادت ہی کا اثر رکھتی ہے لیکن اگر ملال اور مایوسی کے بادل دلوں پر چھا جائیں اور ہمارے عزائم اور زیادہ بلند ہونے کے بجائے پست ہو جائیں یا ٹوٹ جائیں اور ایک حزنیہ کیفیت پیدا ہو جائے تو پھر ہم ارتقاء پذیر زندگی کے معمار کیسے بن سکیں گے؟ کیا خیال ہے آپ کا؟

آپ نے اتنی بہت ساری اچھی اچھی کتابیں انجمن کی طرف سے شائع کر دیں۔ اس پر میری مبارکباد قبول فرمائیے۔ اگر مزید خط لکھنے کی اجازت ملی تو آئندہ کبھی موقع پڑا جب آپ اس خط کا جواب بھیج دیں گے تو ان میں سے چند کے متعلق آپ کو اپنی رائے لکھوں گا۔ یہ تو میرا فرض بھی ہے۔ گذشتہ سال جعفری نے ترقی پسند ادب میرے پاس بھیج دی تھی۔ مجھے اس کی خاص خوشی ہے کہ انجمن جدید ادب کی اس صنف کی کتابیں بھی شائع کرنے لگی ہے جو روح عصر ہیں اور قدیم اور جدید کے مختصر انتخاب شائع کرنے کا خیال بہت اچھا ہے۔ اس طرح انجمن کے کاموں میں ایک "عمومیت" پیدا ہو گی جس کی بہت ضرورت ہے۔ پرانی انجمن تو تذکروں کی قسم کی چیزوں کے چھاپنے کے چکر میں ایسا رہی کہ اس سے نکل ہی نہ سکی گو وہ بھی ضروری کام تھا لیکن نسبتاً جدید ادب پر بھی اتنا ہی زور دینا چاہئے جتنا کہ کلاسکی ادب پر۔ اس طرح ایک صحیح توازن برقرار رہے گا۔ آپ کی مطبوعات دیکھنے سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایسا ہی کر رہے ہیں۔

اخباروں میں ڈاکٹر صاحب کی سرگرمی میلاد و وفود کا حال دیکھا تھا۔ دعا ہے کہ آپ کی مساعی کامیاب ہوں۔ ذاکر صاحب سے ملاقات ہو تو ان کو میری طرف سے بہت بہت آداب و تسلیم کہئے گا۔ امید ہے کہ ان کی صحت اچھی ہوگی اور ان کی آنکھوں کی تکلیف رفع ہو گئی ہوگی۔

کل یہ خبر لاہور کے ایک اردو اخبار میں نظر سے گزری کہ مولانا نے بالآخر ترجمان القرآن کی تیسری جلد مکمل کر لی ہے اور یہ کہ اب وہ بھی یہاں کی ہاں گزری میں اس کی کتابت ہو رہی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو آپ کو ضرور اس کا علم ہوگا۔

اس کے دیکھنے کا بہت اشتیاق رہے گا۔ معلوم نہیں کب تک تیار ہو جائیگی؟ مولانا کا مزاج کیسا ہے؟ آپ انہیں تو میری طرف سے دست بستہ آداب عرض کر دیں۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

کافی عرصہ ہوا "دہلی" کے رسالے شاہراہ میں ایک گروپ فوٹو دیکھا تھا جس میں آپ بھی تھے۔ آپ کی اس طرح زیارت کر کے جو خوشی ہوئی اس کے ساتھ تردد بھی شامل تھا اس لئے کہ اس کے پہلے آپ کی طویل علالت کی خبر سنی تھی اور تصویر دیکھنے سے کافی بدلے ہوئے نظر آئے تھے اور نقاہت ظاہر تھی امید ہے کہ اب آپ بالکل اچھے اور مضبوط ہوں گے اس کے بارے میں لکھئے۔ تعلق خاطر ہے۔

رضیہ نے آپ کو مطلع کر دیا ہے کہ میں جو کتاب لکھ رہا تھا اس کا مسودہ اب مکمل ہو گیا ہے۔ انھوں نے مجھے آپ کا وہ خط بھی بھیج دیا ہے جس میں آپ نے اس مسودہ کو دیکھنے کے لئے طلب فرمایا ہے۔ اس کے لئے میں بیحد شکر گزار ہوں۔ میری یہ دلی خواہش ہے کہ اگر آپ اسے پسند کریں تو انجمن ہی سے

شامل کر دیں لیکن اب میرے سامنے بہت بڑا مرحلہ یہ ہے کہ یہ مسودہ آپ تک پہنچایا کیسے جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی ایک نقل کر لوں۔ اس کے بعد مسودہ آپ کو بھیج دوں۔ تین چار سو صفحات کی کتاب لکھ لینا نسبتاً اتنا مشکل نہیں جتنا کہ اس کی نقل کرنا۔ یہاں کوئی ایسا ساتھی بھی نہیں جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے میرے ساتھی ایک فوجی بریگیڈیر صدیق خاں صاحب ہیں۔ بڑے نایاب اور اچھے آدمی ہیں لیکن انھیں ادب سے مَس نہیں۔ اور اتنے بڑے عہدے سے اس طرح ہٹائے جانے کے بعد اور سات سال کی قید با مشقت کی سزا پانے کے بعد اب وہ نماز، وظیفہ خوانی یا پھر کھانے پکانے میں مشغول رہتے ہیں۔ طعام کے سلسلہ میں ان کی کاوشوں سے مجھے بھی ٹھوس فائدہ ہوتا ہے، اور اس کی بھی بہرحال امید ہے کہ ان کی دعائیں جب مستجاب ہوں گی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم جو ان کے مقابلہ میں چھوٹے پاپی ہیں صرف چار سال قیدی، انھیں بھی اللہ کی رحمت اپنے دامن میں نہ لے؟

علی گڑھ میں میرے بہت سارے عزیز دوست اور کرم فرما ہیں، ان سے ملیے اور میرا ذکر آئے تو انھیں میری طرف سے سلام کہئے گا۔ خاص طور پر ڈاکٹر اشرف، ڈاکٹر عبدالعلیم اور رشید احمد صدیقی۔ ڈاکٹر نورالحسن بھی وہاں ہیں۔ معلوم نہیں آپ انھیں جانتے ہیں یا نہیں۔ انھیں انگریزی پڑھانے پر مقرر ہو گئی ہے۔ میری ایک بھتیجی آسیہ ظہیر بھی اب علی گڑھ میں انگریزی پڑھانے پر مقرر ہو گئی ہے۔ میں تو اس سے برسوں سے نہیں ملا لیکن سنا ہے کہ بڑی سمجھدار بچی ہے، آپ سے ملاقات ہوئی؟

اس خط کی رسید اور جواب کا بڑی بے چینی سے منتظر رہوں گا۔

فقط، نیازکیش

سجاد ظہیر

ایک مشرقی کتب خانہ

صوبہ بہار کے ایک گوشہ میں دلسینہ کا مردم خیز خطہ غیر معروف نہیں ہے۔ عبدالقوی دلسینوی صاحب نے حال ہی میں ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دلسینہ میں الاصلاح لائبریری کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے جس میں اردو، فارسی اور عربی مخطوطات کا ایک بہت اچھا ذخیرہ موجود ہے۔ علاوہ ان نوادر کے اس کتب خانہ میں اردو کے قدیم رسالوں اور اخباروں کے ایسے فائل موجود ہیں جو اب عام طور پر دستیاب نہیں ہوتے۔ اس ادارے میں قدیم رسائل و جرائد کے محفوظ کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ زیر نظر کتابچہ میں مخطوطات اور قدیم رسائل و جرائد کی ایک مختصر فہرست دی گئی ہے جو اردو زبان کے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اچھی رہنما ثابت ہوگی۔ کتابچہ کے نسخے کتب خانہ الاصلاح دلسینہ (ضلع پٹنہ) سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

انجمن کی چند تازہ مطبوعات

غزل

مجروح سلطان پوری کے کلام کا مجموعہ ہے نئے شعور میں مجروح کے تغزل کا ایک خاص انداز ہے اور بہت مقبول ہوا ہے۔ مجروح بہت کم لکھتے ہیں اور شاید اسی لئے بہت اچھا لکھتے ہیں بڑی بات یہ ہے کہ وہ پیشہ ور شاعر نہیں ہیں!

جس وقت سے "غزل" شائع ہوئی ہے بہت مقبول ہو رہی ہے کتابت اور طباعت بھی اعلیٰ درجہ کی اور دیدہ زیب ہے۔

قیمت :- ایک روپیہ آٹھ آنے

احوالِ غالب

غالب کے متعلق اُردو کے لٹریچر میں ایک بہترین کتاب ہے۔ اسے تین جلدوں میں شائع کیا جا رہا ہے اور کوشش یہ کی گئی ہے کہ غالب کے متعلق جہاں کہیں اور جتنا بھی مواد مل سکے اس کو یکجا محفوظ کر دیا جائے۔

مسلم یونیورسٹی کے ڈاکٹر مختارالدین آرزو "غالبیات" کے مستند ماہرین میں ہیں۔ انھوں نے بڑی محنت اور تحقیق کے ساتھ ان جلدوں کو مرتب کیا ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان میں "احوالِ غالب" سے زیادہ مستند اور مفصل دوسری کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ غالب کے متعلق علمی اور تاریخی تحقیقات کرنے والے بہترین اہل قلم اور ادیبوں نے اس کتاب کی ترتیب میں ادارے کی مدد فرمائی ہے جتنی تاریخی نقاویر مل سکیں وہ سب بھی اس جلد میں شامل ہیں

قیمت نو روپے

باپو کے قدموں میں

صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد کی ہندی کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جس کی ترتیب اور تیاری میں انجمن نے بہت روپیہ خرچ کیا ہے۔ مہاتما گاندھی کے ساتھ ڈاکٹر راجندر پرشاد کی ابتدائی زندگی کے حالات ہماری قومی تحریک اور مہاتما جی کی تعلیمات پر ایک دلچسپ پس منظر پیش کرتے ہیں۔ کتاب تین حصوں میں شائع کی گئی ہے۔

قیمت فی حصہ پانچ روپے

مرقع افغان

مرتبہ ابرار حسین صاحب ایم اے

لودھیوں کی ایک مختصر مگر جامع تاریخ ہے جو قدیم تاریخوں سے اخذ کی گئی ہے اور اردو کے تاریخی لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

قیمت تین روپیہ چار آنے

سیاسیات کے اصول

پروفیسر ہارون خان شروانی اس موضوع کے ایک مسلم ماہر ہیں اور ان کے قلم سے اس موضوع پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف طلبا کے لئے بلکہ ارباب علم کے لئے بھی ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اردو لٹریچر میں سیاسیات کے متعلق علمی اور فنی معلومات بہت کم ہے۔ اس کمی کو پروفیسر صاحب کی کتاب نے پورا کر دیا ہے۔ یہ کتاب تین حصوں میں شائع کی جا رہی ہے۔ پہلا حصہ شائع ہو گیا ہے

قیمت تین روپے چار آنے

ترقی پسند ادب

یہ کتاب ترقی پسند شاعر سردار جعفری کی تصنیف ہے اور غالباً اس موضوع پر پہلی مستند کتاب ہے۔ اس میں ترقی پسند ادبی تحریک کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے کہ ترقی پسند تحریک کا رشتہ بین الاقوامی ہے جو قومی حدود اور جغرافیائی سرحدوں کو توڑ کر انسانیت کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے جو انصاف۔ محنت اور آزادی کے جذبے میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور کسی قوم کی برتری اور تفوق کا تصور اس کی دنیا میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ ان اوراق میں بہت سی غلط فہمیوں کو جو ترقی پسند ادب کی تحریک کے متعلق پیدا ہو گئی ہیں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب بہترین ٹائپ میں اعلیٰ قسم کے چکنے کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔

قیمت مجلد چھ روپے

کچھ زر کی بابت

اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں ابو سالم صاحب ایم اے (علیگ) نے یہ بتایا ہے کہ "زر" کیا ہے۔ چند عنوانات سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ کیجئے۔

ہمارے سماج میں زر کی اہمیت۔ زر کی قسمیں۔ کیا بینک زر پیدا کر سکتے ہیں۔ مرکزی بینک۔ زر کی قیمت کا تصور۔ زر کی عام قیمت کا تعین کیونکر ہوتا ہے۔ زر کے متعلق پالیسی کیا ہو۔ بیرونی زر۔ گولڈ اسٹینڈرڈ۔ یہ اور اس قسم کے اور دوسرے سوال جو اس کتاب میں ہیں اس کا جواب آپ کو ملے گا

اس کتاب کی اہمیت اور ضرورت پر ملک کے تمام بڑے بڑے ماہرین زر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ قیمت مجلد للعہ غیر مجلد للعہ/